غیرت کے نام پر عورت کا قتل اور فقہ حنفی میں اس کی سزا

Honor killing and its punishment Fiqh Hanafi

وہاب خان[i] صفیہ بی بی[ii]

Abstract

Honour Killing means when a man and a woman formulate a bond with one another without the approval of their elders or society, even if the nature of the relationship is acceptable in the light of Islamic teachings, both of them deserve to be killed.

To kill a man or a woman on the basis of such relation is called Karokari. Karo is used for the man while Kari is used for the woman. This dreadful act is considered as an act of admiration and is not only regarded likeable and acceptable but also considered a thing to be proud of.

Though this problem is present all over Pakistan but Sindh province is its special victim. Tribal and racial domination, social prejudices and feudalism are still considered a source of social distinction and pride. Karokari is not only un-Islamic but its commitment pushes the society towards quagmire of mutual hostility and family rivalry over the years making the retreat impossible. Not only few fledgling lives are its prey but the whole society gets scattered and the lives of many families become the fuel of hellfire.

This evil action is presenting the terrible picture of Pakistani society all over the world and the foes of Islam are distorting Islam by associating it with the marvelous religion of Islam.

Key Words:*Honor Killing, Islam, Hanafi, Pakistan*

---

i پی ایچ ڈی سکالر یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی بنوں

ii ایم فل اسلامک سٹڈیز گومل یونیورسٹی ڈی آئی خان

غیرت کے نام پر قتل کو (*Honour Killing*) بھی کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت اور مرد اگر اپنے بڑوں یا سماج کی منظوری کے بغیر آپس میں رشتہ استوار کرتے ہیں تو چاہے اس رشتے کی نوعیت اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز ہی کیوں نہ ہو، وہ دونوں واجب القتل ہو جاتے ہیں۔ اس نوع کے رشتہ و تعلق کی بنیاد پر عورت اور بعض اوقات مرد کو قتل کر دینا "کاروکاری" کہلاتا ہے۔ مرد کے لئے "کارو" جب کہ عورت کے لئے "کاری" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ اس قبیح فعل کو غیرت کا تقاضہ قرار دے کر پسندیدہ اور قابل قبول ہی نہیں باعث فخر سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ قبیح فعل پوری دنیا میں پاکستانی معاشرے کی انتہائی بھیانک تصویر پیش کر رہا ہے اور اسے اسلام جیسے روشن دین سے وابستہ کر کے اسلام کے دشمن پورے اسلام کو مسخ کر رہے ہیں۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے بطور تمہید غیرت کا معنیٰ و مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔

غیرت کا لغوی و شرعی معنی

لغت میں غیرت کا مطلب ہے:

تغییر القلب وهیجان الغضب بسبب المشارکة فی ما به الاختصاص[1]

"کسی خاص چیز میں کسی دوسرے فرد کی مشارکت سے اس چیز کے مالک کے دل میں جو تغییر یا اس کو جو غصہ آتا ہے اس کا نام غیرت ہے۔"

غیرت آدمی کی اندرونی کیفیت و حالت کی اس تغیر کو کہتے ہیں جو اپنے قرب و جوار اور معاشرے میں کسی ناگوار چیز کو دیکھنے سے پیدا ہو تا ہے۔ اب مثلاً کوئی مرد اپنی عورت کو غیر مرد کے پہلو میں دیکھے تو ایک انسان اپنی طبعی غیرت کی بنیاد پر یہ چاہتا ہے کہ اس آدمی کو اور اپنی بیوی یا محرم دونوں کو قتل کر دے۔ حالانکہ ایک کامل مسلمان دیکھے گا کہ اس حالت میں اسلام ہمیں کیا تعلیم دیتا ہے۔ شریعت میں غیرت کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے مشروع کردہ احکام کو توڑتا ہوا دیکھے تو اس کو جو غصہ آئے اس کو شرعی اصلاح میں غیرت کہیں گے۔

عرف میں غیرت کا مطلب

عرف میں غیرت عار دلانے کو کہتے ہیں کہ کسی شخص کو کسی کام پر عار دلائی جائے یا اس کو کسی کام پر ابھارنے کے لئے کوئی بات کی جائے، جس سے اس کی اندرونی کیفیت تبدیل ہو جائے اور اس کو جس کام پر ابھارا جاتا ہے اس کام کے لئے تیار ہو جائے۔ اس کے علاوہ غیرت کے عرفی مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ اگر خاندان میں مرد یا عورت کوئی ایسا کام کرے جس سے معاشرے میں اس کام کی وجہ سے اس خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے، جس سے اس مرد یا عورت کے خاندان کو غصہ آجائے تو اس کو بھی غیرت کہتے ہیں۔ عام معاشرے میں غیرت کا یہی مقصد لیا جاتا ہے۔

مختلف معاشروں میں غیرت کا مفہوم مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً عرب کے دستور کے مطابق عورتوں سے کام کرانا مردوں کے شایان شان نہ تھا۔ کیونکہ اس سے مرد کا کم ہمت، نفس پرست اور غیرت کے لحاظ سے کم تر ہونا معلوم ہوتا تھا[2]۔ ضروری نہیں کہ غیرت صرف مردوں کو ہی آئے بلکہ انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق عورت کو بھی غیرت آسکتی ہے۔ امام بخاریؒ نے اس پر باقاعدہ ایک **باب** "باب غيرة النساء ووجدهن" کے عنوان سے قائم کیا ہے۔

اس کے علاوہ غیرت غصہ اور حسد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

" آپ ﷺ میرے سامنے حضرت خدیجہؓ کا تذکرہ اتنی کثرت سے کرتے کہ مجھے اس پر غصہ آجاتا[3]۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے بارے منقول ہے کہ جب آپ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! "انی امراة غيرى[4]" یعنی میں ایک حاسد عورت ہوں۔"

شریعت میں عورتوں کی آزادی

اسلام نے عورتوں کو شرعی حدود و قیود کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر طرح کی آزادی دی ہے۔ جن کاموں کی وجہ سے مرد کو غیرت آکر عورت کو قتل کرنے کی نوبت آتی ہے شریعت میں ان امور کی عورتوں کو اجازت ملی ہوئی ہے لہٰذا اسلام کے نام پر ایسے اقدام کی کسی طور بھی اجازت نہیں ہے۔

تعلیم و تعلم کی آزادی

تعلیم حاصل کرنے کا حکم اسلام نے مرد و عورت کو برابر کا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے شفاء بنت عبد اللہ کو حضرت حفصہؓ کو تعلیم دینے کی ڈیوٹی لگائی تھی[5]۔

اسی طرح فاطمہ بنت قیس نامی ایک صحابیہ (جو ابتدائی ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں) کے گھر کبار صحابہ جمع ہوتے تھے اور فاطمہ بنت قیسؓ ان کو حدیث سکھاتی تھی[6]۔

عورتوں کا اپنی حقوق کے لئے انجمن بنا کر کسی ایک کو نمائندہ مقرر کرنا

اسلام نے عورتوں کو اس بات کی بھی اجازت دی ہے کہ اگر ان کے کچھ ایسے مطالبات ہوں جو مرد پیش کرنے سے قاصر ہوں تو عورتیں اپنوں میں سے کسی کو نمائندہ بنا کر حکام بالا کے سامنے ان مطالبات کو پیش کر سکتی ہیں۔ ام سلمہؓ نامی ایک صحابیہ نے ایک مرتبہ آپ ﷺ کے سامنے دیگر صحابیات کی طرف سے نمائندہ بن کر عورتوں کے کچھ جائز مطالبات کے لئے انتہائی فصیح و بلیغ تقریر کی۔ جس پر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا:

"کیا آپ لوگوں نے عورتوں کی طرف سے اپنے دین کے بارے میں اس بہتر طریقے سے سوال کرتے ہوئے سنا ہے ؟ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! واقعی ایسا سوال کرتے ہوئے ہم نے کسی کو نہیں سنا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس عورت کو کچھ ہدایات دی اور کہا کہ اپنی ہم خیال عورتوں کو یہ پیغام پہنچا دو[7]۔"

عورتوں کے لئے ڈرائیونگ کی اجازت

اگر کبھی کبھی ایسے حالات پیش آئیں کہ عورتوں کے ساتھ کوئی مرد نہ ہو اور اس کو انتہائی ضرورت ہو، اور اس کو اپنی سواری چلانے کا طریقہ بھی آتا ہو تو اس کو اس کی بھی اجازت ہے کہ خود اپنے ہاتھوں سے سواری چلائے جیسا کہ ام سلمہؓ جب مدینہ ہجرت کر رہی تھی۔ اس کا شوہر پہلے ہی ہجرت کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے خاندان کو کوئی بھی فرد نہ تھا جو اس کے ساتھ ہجرت کر سکے۔ لہذا اس نے اکیلے ہی اونٹ کو تیار کیا اور روانہ ہوگئی۔ تنعیم کے مقام پر اس کو ایک شخص ملا جس نے اس کے اونٹ کے رسی کو پکڑا اور آگے لے گئے[8]۔

اپنے بچوں اور خاوند کی کفالت کے لئے کمانا

زینبؓ نامی ایک صحابیہ ایک محنت کش عورت تھیں۔ چیزیں بنایا کرتی تھی اور بیچا کرتی تھی جس سے اس کے خاوند اور بچوں کی کفالت ہوتی تھی۔ اسلام لانے سے پہلے آپ ﷺ سے اپنے

پیشے اور اس کی کمائی کے خرچ کے متعلق آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دے دی۔ جس کے بعد یہ عورت اسلام لائی[9]۔

سرکاری منصب میں شمولیت

اسلام نے عورتوں کو کسی طور بھی کسی سرکاری منصب میں شمولیت سے نہیں روکا جہاں کہیں اس کے اندر استطاعت ہو کہ وہ کام کر سکیں اسلام اس کو بھرپور نمائندگی دیتا ہے مثلاً شفاء بنت عبد اللہ نامی عورت ایک بہت ہی ذہین اور فاضل صحابیہ تھیں۔بسا اوقات آپ ﷺ ان کے گھر آرام فرماتے جس کی وجہ حضرت عمرؓ اس کا بہت خیال رکھتے تھے۔اور اس کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے شفاء بنت عبد اللہ کو بازار کا نگران مقرر کیا تھا[10]۔

شعبہ پولیس میں نوکری

سمراء بنت نہیک ایک عمر رسیدہ خاتون تھیں۔اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا تھا اور بازاروں میں گشت کیا کرتی تھیں۔شعبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تعلق رکھتی تھی[11]۔

خوشی کے موقع پر تفریح کرنا

اسلام نے عورتوں کو جائز تفریح کا حق دیا ہے کہ خوشی کے موقع پر آزادی کے ساتھ خوشی کا اظہار کر سکیں۔مثلاً مدینہ میں ایک مرتبہ کسی کے گھر شادی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے کچھ تحائف بھیجے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا آپ نے کسی گانے والی کو بھی بھیجا ہے۔کیونکہ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! نہیں۔ آپ ﷺ نے کہا کہ "زینب" نامی عورت کو ڈھونڈ کر بھیجو۔یہ عورت مدینہ میں گانے گایا کرتی تھی[12]۔

یہ وہ تمام امور ہیں جن کے انجام دینے پر کسی مرد کو غصہ آسکتا ہے جس کی وجہ سے بات عورت کے قتل تک پہنچ جاتی ہے۔کیونکہ یا تو کوئی عورت اپنے بال بچوں اور خاوند کا پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کرتی ہے یا کبھی خوشی کے موقع پر اپنی خوشی کا اظہار کرتی ہے جو معاشرتی لحاظ کسی مرد کو نامناسب معلوم ہو کر ایسا اقدام کر بیٹھتا ہے جس کی شریعت میں کسی طور بھی اجازت نہیں ہے۔جب کہ عام طور پر عورت کو کسی مرد کے ساتھ اپنی پسند کی شادی کی بنا پر زنا کے جھوٹے الزامات لگا کر قتل کیا جاتا ہے اس لئے مذکورہ وجہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

عام طور پر معاشرے میں ایسی شادی کو اس وجہ سے تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اس میں خاندان کے بڑوں کی مرضی شامل نہیں ہوتی جس کی وجہ سے خاندان کے بڑے اس بات کو "انا" کا مسئلہ بنا لیتے ہیں اور اس "انا" کو دین کا رنگ دیا جاتا ہے حالانکہ ان لوگوں کا بنیادی مقصد اپنی "انا" کی تسکین ہوتی ہے نہ کہ شریعت پر عمل کرنا۔ اس وجہ سے اس معاملے کا اس پہلو سے تجزیہ پیش کیا جاتا ہے کہ آیا اولیاء کی مرضی کے بغیر کیا ہوا نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟

جمہور فقہاء کے ہاں نکاح عورت منعقد نہیں کر سکتی بلکہ عورت کے اولیاء ہی نکاح منعقد کرنے کے مجاز ہیں۔ جب کہ امام ابو حنیفہؒ نے عورتوں کی آزادی کا خیال رکھتے ہوئے عورتوں کو اپنے نفوس پر مکمل اختیار دے دیا ہے اور ان کے ہاں اگر میاں بیوی آپس میں نکاح کر دینے پر راضی ہوں اور دو گواہ موجود ہو تو اس طور سے کیا گیا نکاح صحیح ہو گا۔ اگرچہ امام ابو حنیفہؒ اس معاملے میں منفرد ہیں یعنی اکیلے ہی اس قول کے قائل ہیں لیکن پھر بھی اس کے دلائل میں انتہائی وزن دکھائی دیتا ہے۔

جمہور فقہاء ابو موسیٰؓ کی روایت بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

لا نكاح إلا بولي [13] "نکاح بغیر ولی کے منعقد نہیں ہوتا۔"

اسی طرح حضرت عائشہؓ سے بھی ایک روایت ہے:

أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ[14]

"جو عورت بھی بغیر ولی کے نکاح منعقد کرے تو وہ نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔"

جب کہ احناف کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اپنی جانوں کا اختیار خود دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سورۃ بقرۃ کی آیت: ۲۳۲ سے واضح ہوتا ہے جس میں صریح الفاظ میں حکم دیا گیا ہے جو عورتیں طلاق یافتہ ہیں اگر اپنی عدت کو پہنچ گئی ہیں اور کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہیں تو اولیاء ان کی نکاح میں رکاوٹ نہ بنیں۔ یہ آیت معقل بن یسارؓ کے بارے میں نازل ہوئی جب وہ اپنی بہن کو اپنے سابقہ شوہر کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا[15]۔

لہٰذا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو اپنی مرضی سے اپنے شوہر منتخب کرنے کا اختیار حاصل ہے اور عورتوں کے اولیاء کو ایسا کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیے بلکہ اجازت دے دینی چاہیے۔ اس کے علاوہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

الْأَيِّمُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا [16] "بے شوہر عورت اپنے نفس کا ولی سے زیادہ حق دار ہے۔"

یہ حدیث بھی ثابت کرتا ہے کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔

جس صورت میں اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے وہ بھی اپنا یہ حق خود استعمال نہیں کر سکتے بلکہ قاضی کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کریں گے جب قاضی میاں بیوی کے مابین تفریق کرنا چاہے تو تفریق کرایا جائے گا خود فریقین کو اختیار حاصل نہیں کہ جبراً ان کا نکاح توڑ دیں [17]۔

جب کہ اولیاء کو بھی مقدمہ دائر کرنے کا حق اس وقت تک رہے گا جب تک میاں بیوی کے ہاں اولاد پیدا نہ ہو جب اولاد پیدا ہو جائے تو اولیاء کا یہ حق بھی زائل ہو جائے گا کیونکہ اس سے بچے کی زندگی پر اثر پڑے گا [18]۔

اب تصویر کے دوسرے پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں

اگر کوئی بھی مرد یا عورت شریعت کے دئے ہوئے اس حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خاندان والوں کی مرضی کے بغیر شادی کر لیتے ہیں چاہے اس شادی میں شریعت کے دیگر تمام لوازمات پورے کئے گئے ہوں، تو ایسے جوڑے کو گھر سے بھاگے ہوئے تصور کیا جاتا ہے، پختون معاشرے میں مرد کو پھر کچھ رعایت ملتی ہے لیکن عورت کسی بھی رعایت کی مستحق نہیں ہوتی اور قتل کی مستحق ٹھہرائی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے میاں بیوی ہمیشہ کے لئے چھپ کر زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے خاندان والے اس جوڑے کے پیچھے لگ جاتے ہیں جہاں کہیں ان کو پالیں، قتل کر دیا جاتا ہے اور معاشرے کے ایک خاموش معاہدے کے تحت دونوں طرف کے مقتولین کے ورثاء اپنے مقتول کے خون کو رائیگاں قرار دے کر چھوڑ دیتے ہیں۔

ایسے قتل کے لئے عام طور پر ان احادیث کا سہارہ لیا جاتا ہے جن میں ایسے واقعات کے متعلق کوئی بات کی گئی ہو جیسا کہ صحیح البخاری کی کتاب النکاح میں باب الغیرۃ کے عنوان کے تحت

سعد بن عبادہؓ کے واقعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جب قرآن کی آیات: والذین یرمون المحصنات نازل ہوئیں جس میں لعان کے متعلق احکام نازل ہوئے تو سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! جب میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھ لوں تو اس وقت تک کچھ نہ کہوں گا جب تک میں چار گواہوں کو نہ لاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک! ایسا ہی کرو گے۔ سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا کہ نہیں۔ یا رسول اللہ میں اس شخص کو اسی وقت تلوار سے قتل کروں گا۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ اپنے سردار کو سن رہے ہو، کیا کہہ رہے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس کو ملامت نہ کرو یہ ایک غصہ ناک آدمی ہیں(19)۔"

اگر مذکورہ واقعہ میں غور وحوض کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے سعد بن عبادہ کی رائے کو قبول نہیں کیا تھا کیونکہ صحابہؓ نے جب یہ کہا کہ اس کو ملامت نہ کرو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ کے چہرہ پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو بھی ایسی حالت میں اپنی بیوی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی بھی شخص کے ساتھ غیر حالت میں دیکھ لے اور اس شخص کے پاس اس بات کے گواہ نہ ہو تو اس کے پاس طلاق کا راستہ کھلا ہے کہ وہ اس عورت کو چھوڑ دے۔ یا اگر اس کو کوئی ایسی مجبوری ہو جس کی وجہ سے چھوڑ بھی نہیں سکتا مثلاً آج کل کے زمانے میں مہر زیادہ لکھوانے کی وجہ سے ایسی نوبت پر بھی طلاق نہیں دیا جا سکتا کیونکہ شوہر زیادہ مہر ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا لہٰذا بامر مجبوری ایسی عورت کے ساتھ زندگی گذارنی پڑے گی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

"ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے اپنی بیوی کے بارے میں شکایت کی کہ وہ کسی بھی شخص کے ہاتھ کو اپنے آپ کو مسح کرنے سے نہیں روکتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو۔ صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے ڈر ہے کہ پھر اس کے پیچھے لگا رہوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کو اپنے پاس رکھو اور اس سے فائدہ اٹھاتے رہو(20)۔"

ایسا ہی ایک اور واقعہ دربار رسالت مآب ﷺ میں پیش ہوا۔ عومیر عجلانیؓ نامی صحابی نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ ﷺ مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اپنے بیوی کے ساتھ اجنبی مرد کو پائے اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کے بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے تو کیا وہ اس مرد کو قتل کر ڈالے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عومیرؓ جاؤ اپنی بیوی کو بلاؤ، اللہ نے تمہاری

بیوی کے معاملے میں حکم نازل فرمایا ہے پھر ان دونوں کو بلا کر حضور ﷺ نے مسجد کے اندر لعان کر دیا[21]۔"

لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں میاں بیوی دونوں کو چند خاص قسمیں دینے کو لعان کہا جاتا ہے۔ مثلاً جب کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام عائد کرتا ہے تو شرعاً شوہر سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ الزامِ زنا پر چار گواہ لائے۔ اگر شوہر چار گواہ پیش کرے تو عورت پر حد زنا لگائی جائے گی۔ اگر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکا تو دونوں میں لعان کروایا جائے گا۔ اب یہ ایک مشکل مرحلہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کے پہلو میں کسی غیر مرد کو دیکھ لے اور گواہ ڈھونڈتا پھرے لیکن اس معاملہ میں شریعت کے حکم پر عمل کرنا ظاہری غیرت مندی کے تقاضے پر عمل کرنے سے زیادہ ضروری ہے۔

مرد کو از خود کاروائی کا اختیار

اس سلسلے میں چند امور کو دیکھنا چاہیے:

(۱) کاروائی جائز ہے یا ناجائز؟ (۲) کاروائی کی حد کیا ہے؟ (۳) اگر فاعل اور مفعول دونوں یا ایک کو قتل کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

سب سے پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ ایسی کاروائی کا جواز ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ[22]

"آپ میں سے جو آدمی کوئی گناہ کا کام دیکھے تو اس کو چاہیے کہ ہاتھ سے روک دے۔"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف کاروائی کرنے کا جواز ہے۔ اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب تنویر الابصار میں ہے:

إنْ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَنْزَجِرُ بِصِيَاحٍ وَضَرْبٍ بِمَا دُونَ السِّلَاحِ وَإِلَّا) بِأَنْ عَلِمَ أَنَّهُ يَنْزَجِرُ بِمَا ذُكِرَ (لَا) يَكُونُ بِالْقَتْلِ [23]

"اگر یہ کاروائی کرنے والے کو یہ یقین ہو کہ فاعل چیخنے یا مارنے پیٹنے سے باز نہیں آتا ہے پھر تو اس کو قتل کرنے کی اجازت ہے اور اگر اس کو معلوم ہو کہ اگر میں اس شخص کو ڈراؤں دھمکاؤں تو یہ باز آجائے گا پھر اس کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔"

مذکورہ بالا قول سے بھی ایسے شخص کو قتل کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن اگر مذکورہ دلیل میں ہی غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ آج کل کے صورت حال میں مذکورہ قول کو کبھی بھی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا کیونکہ مذکورہ قول میں کاروائی کی اس وقت اجازت دی گئ ہے جب فاعل و مفعول عین قبیح فعل کے ارتکاب میں مشغول ہو اور اٹھنے اور بھاگنے کا موقع دئے جانے کے باوجود اور کسی لاٹھی وغیرہ سے مارنے کے باوجود بھی وہ شخص اپنے اس قبیح فعل کو نہ چھوڑے پھر اس کے خلاف نہی عن المنکر کے تقاضہ کے تحت کاروائی کی اجازت دی گئ ہے۔ لیکن آج کل کے زمانے میں معاشرے میں اکثر اوقات پہلے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کے ساتھ متہم قرار دئے جاتے ہیں پھر باقاعدہ طور قاتل اپنے گھر والوں اور اپنے خاندان کے بڑوں کے مشورے کے ساتھ مرد اور عورت دونوں کو قتل کرنے کا موقع ڈھونڈ کر اس کو قتل کرتے ہیں یا باقاعدہ دونوں طرف کے فریقین کسی کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگادیتے ہیں کہ فلاں شخص مرد کو اور فلاں شخص عورت کو قتل کرے گا۔

لیکن اگر قاتل شخص اپنے اقدام قتل کی صفائی میں شریعت کے مطابق چار گواہ پیش نہ کر سکے جو باقاعدہ زنا کی گواہی دے تو قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ ابوداؤد اور عویمرؓ کی روایت کو بھی مد نظر رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ از خود کاروائی جائز نہیں بلکہ قاضی یا حاکم وقت کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرنا چاہیے جیسا کہ ان دو صحابہ کرام نے کیا۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"اگر مالک مکان کے پاس کسی شخص کے چور ہونے پر کوئی گواہ موجود نہ ہو اور مقتول چوری اور دوسرے برائی کے کاموں میں مشہور بھی نہ ہو تو مالک مکان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا اور اگر یہ مقتول اس طرح کے کاموں میں مشہور ہو تب بھی مالک مکان کو قصاصاً قتل کیا جائے گا[(24)]۔"

غیرت کے نام پر کئے گئے قتل کی نوعیت

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ ، ۳۳ میں ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قصاص یا فساد کے بغیر کسی شخص کو قتل کرے گویا اس نے پوری انسانیت کو قتل کیا۔ اور جو

لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ یا تو ان کو بری طریقے سے قتل کیا جائے یا ان کو سولی لٹکا دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں الٹے طریقے سے کاٹ دئے جائیں یا ان کو جلاوطن کر دیا جائے۔

یہ آیت قبیلہ عکل اور عرینہ کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو پہلے تو مسلمان تھے لیکن بعد میں مرتد ہو کر ایک شخص کو قتل کرنے کے بعد بیت المال کے اونٹ چرانے کی بھی کوشش کی[25]۔ عام فقہاء و مفسرین نے اس آیت کی شان نزول سے یہ مراد لیا ہے کہ یہ احکام ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو گروپ کی شکل میں راہ میں بیٹھ کر لوگوں کو لوٹنے کی کوشش کریں۔ جس سے لوگوں پر ایک دھشت بیٹھی رہتی ہے اور لوگوں اس راستے پر نہیں جاتے جس راستے پر ڈاکو بیٹھے ہوتے ہیں گویا ان لوگوں نے راستے کو پر خطر بنایا ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں ان سے ایک خوف محسوس ہوتا ہے۔ یہی صورت حال اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی شخص پر الزام لگا دیا جاتا ہے اور ان کے قتل کے منصوبے بنائے جاتے ہیں۔ جس شخص کے خلاف قتل کے منصوبے بنائے جاتے ہیں وہ شخص لازماً معاشرے میں ایک خوف کی زندگی گذارتا ہے اور ہر وقت موت کا خوف اس کے سر پر سوار رہتا ہے۔

دوسری جانب جو شخص قتل کے ارادے سے ان کو ڈھونڈتا رہتا ہے اس پر نہ تو معاشرے کے افراد کی طرف سے کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ ہی ان کو بعد کی زندگی میں کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ گویا اس صورت حال میں معاشرے کے افراد کی طرف سے اس قتل اور قاتل کی تحسین کی جاتی ہے۔ اور متاثرہ خاندانوں کے سر پر عزت کا جو بوجھ ہوتا ہے قتل کے بعد اپنے آپ کو اس بوجھ سے ہلکا محسوس کرتے ہیں اور یہ قتل ان کے لئے فخر کا باعث ہوتا ہے۔ ایسی صورت حال میں ایک خاموش معاہدہ کے تحت لڑکے اور لڑکی کے خاندان والے ایک دوسرے کو خون معاف کر دیتے ہیں اور قاتل آزاد ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں جرم ایک عام سی بات بن جاتی ہے۔

ایسی صورت حال میں ریاست ازخود نوٹس لے کر قاتلوں کے خلاف کاروائی کا حق محفوظ رکھتی ہے اور مقتولین کے معاف کرنے کے باوجود ریاست کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قصاص کا قانون ازخود جاری کرے تاکہ معاشرے میں ایسے جرائم کا قلع قمع کیا جاسکے۔

قرآنی آیت :ولکم فی القصاص حیاۃ: میں قصاص کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ معاشرے میں زندگی کا تحفظ قصاص ہی سے ممکن ہے۔ جب کہ سورۃ مائدہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک انسان کو قتل کرنا گویا پوری انسانیت کو قتل کرنا ہے۔ اس لئے ریاست اپنے طور سے ایسے مجرموں کے خلاف کاروائی کرسکتی ہے۔ کبھی کبھی مقتول کے ورثاء چاہتے ہیں کہ ان کے مقتول کا قصاص لیا جائے لیکن قاتلین کے باثر ہونے کی وجہ سے مقتولین کے ورثاء دباؤ کا شکار ہو کر اپنے حق سے دستبردار ہوجاتے ہیں یا پیسے کے زور سے قانون دیت پر عمل کرتے ہیں۔ حاکم کو اس کے بارے میں تفتیش کا اختیار ہے کہ مقتول پر دباؤ تو نہیں ڈالا گیا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے:

"کسی مقدمہ میں اس کے پاس ایک مسلمان کو لایا گیا جس نے کسی ذمی کو قتل کیا تھا جب مسلمان کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو مقتول کے بھائی نے اس کو معاف کردیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ آپ پر کوئی دباؤ تو نہیں۔ ذمی نے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! مسلمان کو قتل کرنے سے میرا بھائی تو واپس نہیں آسکتا ہاں اس نے مجھے دیت دینے کی پیش کش کی ہے جو مجھے قبول ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بس پھر تو آپ کی مرضی ہے[26]۔"

اسی طرح اگر حاکم وقت دیکھے کہ کسی شخص کے جرم کی سنگینی کی وجہ سے اس کو قتل کرنا ہی مناسب ہے تو اگرچہ اولیاء موجود ہو لیکن اس سے پوچھے بغیر بھی حکومت کو اس کا اختیار حاصل ہے۔ مثلاً "السنن الکبریٰ" میں ہے:

" حارث بن سوید نامی صحابی نے غزوہ احد کے موقع مجذر بن زیاد کو دھوکے سے قتل کرکے زمانہ جاہلیت میں اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لیا۔ آپ ﷺ کو جب پتہ چل گیا تو آپ ﷺ نے حارث بن سوید کے قتل کا حکم دیا تھا۔ اس وقت اگرچہ مجذر کے ورثاء موجود تھے لیکن آپ ﷺ نے ان سے پوچھا بھی نہیں اور اپنی طرف سے حکم جاری کردیا[27]۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتول کے ورثاء کی طرف سے معافی کے اعلان کے باوجود بھی حکومت از خود نوٹس لے سکتی ہے اور اگر حکومت وقت مناسب سمجھے تو مقتول کے ورثاء سے پوچھے بغیر بھی از خود اقدام کر کے قاتل کو قصاصاً قتل کیا جاسکتا ہے۔

حکومت کے علاوہ عام رعایا کو اقدام کی اجازت

جس طرح حدود جاری کرنا ریاست کا اختیار ہے اسی طرح تعزیری سزا دینا بھی ریاست کے اختیار میں ہے جیسا کہ فقہ کی مشہور کتاب تنویر الابصار میں ہے:

(وَ) التَّعْزِيرُ (لَيْسَ فِيهِ تَقْدِيرٌ بَلْ هُوَ مُفَوَّضٌ إلَى رَأْيِ الْقَاضِي)[28]

"تعزیر کا معنی یہ ہے کہ یہ شریعت کی طرف سے مقرر نہیں ہوتی بلکہ قاضی کے صوابدید پر منحصر ہے۔"

قاضی یا امام چاہے تو کسی مجرم کو مارنے کی سزا دے یا قید کرنے کی سزا دے یا جرم کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے قتل بھی کر سکتا ہے لیکن یہ سزائے قتل بطور حد نہیں بلکہ بطور تعزیر ہو گی جو اگر امام مناسب سمجھے تو معاف بھی کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ سے روایت ہے:

"ابو عبد اللہ جو ایک صحابی ہیں اور صحابہ میں عالم جانے جاتے تھے فرماتے ہیں کہ زکواۃ، حدود، فئی اور نماز جمعہ کا اجراء سلطان یعنی حاکم کی ذمہ داری ہے[29]۔"

اس سلسلے میں حنفی فقہاء کی تصریحات موجود ہیں کہ اجتماعی مفاد اور نظم وضبط برقرار رکھنے کی خاطر حدود جاری کرنے کا اختیار امام کے پاس ہے۔ جیسا کہ ابو بکر الجصاصؒ نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے:

"ابو بکر الجصاصؒ کے مطابق اہل علم کو پتہ ہے کہ جہاں سزا دینے کی بات ہوتی ہے اس سے مراد حکمران ہوتے ہیں کہ ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ چوری کرنے پر مرد و عورت کا ہاتھ کاٹ دیں، زنا کرنے والوں کو کوڑے لگائیں۔ اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آزاد لوگوں پر حکمران ہی حد جاری کر سکتے ہیں[30]۔"

ان امور کو حکام کے سپرد کرنے میں کئی مصالح پوشیدہ ہیں جس سے ملک کا انتظامی نظم ونسق برقرار رہتا ہے اگر ہر کوئی کسی بھی جرم پر مجرم کو سزا دینا شروع کرے پھر تو حکومت کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جرم کے زائل کرنے کی آڑ میں لوگ اپنی ذاتی دشمنیوں کو بیچ میں لا کر دشمنوں کو قتل کرنا شروع کر دیں گے جس سے ایک بڑے فساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس کے علاوہ اگر ذاتی طور پر کوئی کسی سے کسی جرم پر باز پرس کرے تو بات ذاتی عداوت تک پہنچ جائے گی۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی قوی احتمال موجود ہے کہ جرم کی سزا میں ناانصافی کی جائے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی مجرم نے جرم تو چھوٹا کیا ہو لیکن اس کو جرم کے مقابلے میں سزا زیادہ ملے یا سزا تو جرم کے مطابق ملے لیکن مجرم کے طاقتور کی ہونے کی وجہ بعد میں دوبارہ اس شخص سے بدلہ لے لے جو بذات خود ایک الگ جرم ہو گا۔ علامہ کاسانیؒ کہتے ہیں:

"امام اپنی طاقت اور فوج کی وجہ سے عام رعایا پر بالادست ہونے کی وجہ سے حد کو قائم کرنے پر قادر ہے اور طاقت اور سرکاری مشینری کی وجہ سے امام اور رعایا کے درمیان کوئی معارضے یا جوابی کاروائی کا اندیشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی امام پر جانب داری، رعایت اور مداہنت کا شبہ ہو سکتا ہے [31]۔"

اسی عدالتی وریاستی دستور کے تحت اگر کہیں کسی مجرم کو سزا دینا ہو تو اس کے لیے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس صورت میں گواہوں کی گواہی کو سننا، معیار شہادت کو پرکھنا اور اگر گواہوں نے جھوٹ بولا ہو تو گواہوں کو سزا دینا یا اس جیسے دیگر معاملات ہوتے ہیں ان کو پورا کرنا صرف ایک بااختیار عدالت کر سکتی ہے جو کسی امام کے زیر اثر ہو۔ چنانچہ شریعت اسلامی کی رو سے کسی بھی مجرم کو سزا دینے کا اختیار ریاست کے پاس ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی کسی ایسے مجرم کے خلاف از خود کوئی اقدام کرے تو یہ ریاست کا مجرم تصور ہو گا کیونکہ اس شخص نے ریاست کے امور میں دخل اندازی کی اور کسی دوسرے شخص کے ذمہ سپرد کیا گیا کام اس کی اجازت کے بغیر خود سے انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ فقہی اصطلاح میں اس کے لئے "افتیات" کا لفظ استعمال ہوتا ہے جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"افتیات کسی کام کو اپنی ذاتی رائے سے اپنے لئے مخصوص کرنے، کسی کام کے کرنے میں اگر کسی شخص کی اجازت لازمی ہو، تو اس کی اجازت کے بغیر کسی کام کی طرف بڑھنے یا ایسا شخص جو اس فاعل سے اس کام کے کرنے کا زیادہ حق دار ہو، اس کی اجازت کے بغیر، اور اس فاعل سے بہتر شخص کے حق پر تعدی کرنے یعنی اس کے حق کو پامال کرنے کو افتیات کہتے ہیں [32]۔"

افتیات کو جدید و مروجہ اصطلاح میں "قانون ہاتھ میں لینے" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چونکہ افتیات کسی دوسرے کو سپرد کردہ کام میں مداخلت کرنے کو کہتے ہیں، اس لئے اس سے دوسرے کا حق متاثر ہوتا ہے، اس وجہ سے یہ ناجائز ہے [33]۔

اگر کوئی شخص خود اپنے طور سے کوئی ایسا کام کرے جو حاکم کی ذمہ داری ہو تو امام و حاکم کے حق میں دخل اندازی کی بناء پر یہ شخص مجرم تصور ہوگا اور اس شخص کو مناسب سزا دی جائے گی۔ اسی طرح حدود کے باب میں بھی اگر کوئی شخص خود اپنی رائے سے ذاتی طور پر کسی شخص پر سزا جاری کرے تو امام کے حق کو استعمال کرنے کی وجہ سے اس کو سزا دی جائے گی جیسا کہ موسوعہ میں ہے:

"افتیات (کسی دوسرے کے حق کو اپنے طور پر استعمال کرنا) جائز نہیں کیونکہ یہ اس شخص کے کام میں دخل اندازی تصور ہوگی جس کے کرنے کا کام تھا۔ کبھی کبھی یہ افتیات حاکم کے ذمہ لگائے گئے کام میں دخل دینا ہوتا ہے اور کبھی کبھی کسی عام آدمی کے کام میں۔ اگر کوئی حاکم کے کام اپنے طور پر سرانجام دے تو حاکم کے کام میں بے جا مداخلت کی وجہ سے اس شخص پر تعزیری سزا لازم ہوگی[34]۔"

پھر بطور خاص حدود کے باب میں اگر افتیات کا مرتکب ہو تو اس کو ضرور تعزیری سزا دی جائے گی کیونکہ حد جاری کرنا باتفاق علماء حاکم وقت کا کام ہے جیسا کہ الموسوعہ میں لکھا ہے:

"فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حد کا قائم کرنا حاکم وقت یا ان کے نائب کا کام ہے چاہے یہ حد حقوق اللہ کی وجہ سے لازم ہو جیسا کہ حد زنا یا کسی بندے کے حق کی وجہ سے لازم ہو جیسا کہ حد قذف وغیرہ۔ کیونکہ حد کے قائم کرنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں کسی ناانصافی کا ڈر رہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ یہ حق حاکم کے سپرد کیا جائے۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی حیات مبارکہ میں خود حدود قائم کئے اسی طرح آپ ﷺ کے بعد جتنے بھی خلفاء آئے انہوں نے بھی بذات خود حدود قائم کئے۔ اور نائب حاکم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص حاکم کی اجازت کے بغیر حد قائم کرے تو فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص مرتد کو حاکم کی اجازت کے بغیر قتل کرے تو چونکہ یہ مرتد قتل کا مستحق تھا اس لئے قاتل پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ اس مرتد کا خون معاف تھا لیکن قاتل پر حاکم کے کام میں مداخلت کرنے اور حاکم کی مخالفت کی وجہ سے تعزیر لازم ہوگی[35]۔"

لہٰذا کسی بھی شہری کے لئے قانون کو ہاتھ میں لے کر اپنی ذاتی رائے سے سزا دینے کا اختیار نہیں اور اگر کوئی ایسا کام کرے تو یہ شخص مجرم ہوگا اور اس کے لئے مناسب تعزیری سزا تجویز ہو سکتی ہے۔

خلاصہ

شریعت نے عورتوں کو آزادی کے ساتھ شرعی حدود وقیود کے اندر رہ کر تعلیم وتعلم، جائز تفریح، تجارت اور اپنی مرضی سے اپنے جوڑ کے خاوند کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دی ہے اور اولیاء کو ان سے منع کرنے سے روک دیا ہے۔ کسی بھی شخص کو غیرت کے نام پر عورت کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے معاملہ میں کسی عورت کو قتل کرے تو گویا وہ معاشرے میں اپنی دھاک بٹھانے کی خاطر قتل کر رہا ہے اور یہ "فساد فی الارض" کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسے معاملے میں اگر مقتول کے اولیاء اپنے مقتول کے خون کو معاف بھی کر دے تب بھی حکومت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ معاملے کی چھان بین کر کے معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرے اور اگر مناسب سمجھے تو از خود کاروائی کر کے قاتل سے قصاص بھی لے سکتی ہے۔ ریاست کے اندر کسی کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لے لوگوں کو سزائیں دینے کا اختیار نہیں یہ اختیار صرف جج یا حاکم کو حاصل ہے کہ وہ کسی کو سزا دے یا اس کو معاف کر دے۔ اگر کوئی شخص غیرت کے نام پر کسی کو قتل کر دے تو حکومت وقت معاشرے کو دھشت سے پاک پر امن بنانے کے لئے قاتل کو قرار واقعی سزا دے تا کہ لوگ پر امن اور پر سکون زندگی گذار سکیں۔

حواشی وحوالہ جات

1 الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۱: ۳۳۹، مادہ غیرہ، وزارۃ الشؤون الاسلامیہ، الکویت، ۱۴۲۷ھ

2 العسقلانی، حافظ ابن حجر، فتح الباری ۸: ۳۲۴، دار المعرفہ، بیروت، ۱۳۷۹ھ

3 نفس مصدر ۸: ۳۲۶

4 أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر، الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۸: ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۵ھ

5 ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۴: ۱۸۶، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء

6 ابوزکریا محیی الدین یحییٰ بن شرف النووی، تہذیب الاسماء واللغات ۴: ۱۷۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان (س۔ن)

7 الاستیعاب ۴: ۱۷۸۷

8 الاصابہ ۸: ۲۴۰

9 تہذیب الاسماء: ۳۴۶

10 الاستیعاب ۴: ۱۸۶۸
11 نفس مصدر ۴: ۱۸۶۳
12 الاصابہ فی تمییز الصحابہ ۸: ۱۶۵
13 سلیمان بن الأشعث، سنن أبي داود، حدیث (۲۰۸۵)، دار الفکر، ۱۹۸۳ء
14 أبو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، حدیث (۱۱۰۲) شرکہ مکتبہ ومطبعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۳۹۵ھ
15 محمود بن عمرو، الزمخشری جار اللہ، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ۱: ۲۷۷، دار الکتاب العربی، بیروت (س۔ن)
16 مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث (۱۴۲۱) دار إحیاء التراث العربي، بیروت، (س۔ن)
17 عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان، مجمع الأنهر في شرح ملتقی الأبحر ۱: ۳۳۲، دار إحیاء التراث العربی، ۱۴۱۸ھ
18 نفس مصدر
19 فتح الباری ۹: ۳۲۱
20 سنن ابو داؤد، حدیث (۲۰۵۱)
21 محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، حدیث (۵۳۰۸)، دار الطوق النجاۃ ۱۴۲۲ھ
22 محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری، مشکاۃ المصابیح، المکتب الإسلامی، بیروت، (س۔ن)
23 علامہ حصکفی، الدر المختار شرح تنویر الأبصار ۴: ۶۳، دار الفکر-بیروت، ۱۹۹۲ء
24 ابن عابدین، محمد أمین بن عمر، رد المحتار علی الدر المختار ۴: ۶۴، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء
25 أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ۳: ۹۵، مطبع نامعلوم، ۱۹۹۹ء
26 أحمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری، حدیث (۱۶۳۵۶) مجلس دائرۃ المعارف، ۱۳۴۴ھ
27 السنن الکبری، حدیث (۱۶۴۸۵)
28 الدر المختار ۴: ۶۲
29 ابو احمد، حمید بن مخلد بن قتیبہ بن عبد اللہ، الاموال ۳: ۱۱۵۲، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، سعودیہ، ۱۹۸۶ء
30 امام جصاص، احکام القرآن ۵: ۱۳۱، دار احیاء تراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ
31 علاء الدین أبو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع ۷: ۵۷، الناشر: دار الکتب العلمیہ (س۔ن)
32 الموسوعۃ الفقہیہ ۵: ۲۸۰
33 نفس مصدر

34 الموسوعۃ الفقہیہ ۵: ۲۸۰

35 نفس مصدر